مکرم محمد اشرف کاہلوں صاحب

آنحضرت ﷺ کا عجز و انکسار

وہ پاک و مقدس وجود جس کے سر مبارک پر لولاک کا شاہی تاج، گلے میں سید ولد آدم کا تمغہ شرف وافتخار اور لوح جبین مبارکہ پر الفقر فخری کا درخشاں نشاں ہے۔ خالق کائنات کے خطاب خلق عظیم کا سند یافتہ یہ نورانی پیکر عجز وانکسار میں بھی سراج منیر ہے۔ سیدالکونین اور فخر موجودات ﷺ کے عجز وانکسار کا یہ عالم کہ عجمیوں کی مانند تعظیم کو ناپسند فرماتے تھے حضرت ابی امامہؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت نبی اکرم ﷺ عصا پر سہارا لیتے ہوئے ہمارے ہاں تشریف لائے۔ ہم کھڑے ہو گئے۔ فرمایا۔ تم عجمیوں کی طرح کھڑے نہ ہوا کرو جو کہ ایک دوسرے کی تعظیم کرتے ہیں۔ پھر فرمایا! میں تو ایک بندہ ہوں۔ جس طرح بندہ کھاتا ہے میں کھاتا ہوں۔ جیسے وہ بیٹھتا ہے میں بیٹھتا ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی سیرۃ طیبہ کے ہر باب میں عجز وانکسار کے درخشندہ جلوؤں کی بہار جانفزا ہے آداب گفتگو میں بھی اس کی جھلک نمایاں ہے۔

حضرت سفیان بن وکیعؓ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کسی کی بات کو جب تک وہ مکمل نہ کر لیتے کاٹتے نہ تھے بات کے خاتمہ پر یا مجلس برخاست ہونے پر قطع کرتے آپ ﷺ کسی کی مذمت نہ کرتے، عار نہ دلاتے اور عیب تلاش نہ کرتے آپ ﷺ کی چال ڈھال میں بھی حسن عجز پوشیدہ تھا۔

حضرت ہند بن ابی ہالہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جھک کر وقار سے چلتے، جب آپ ﷺ چلتے تو گویا اوپر سے نیچے کی جانب اترتے اور جب متوجہ ہوتے تو پورے طور پر متوجہ ہوتے، نگاہ نیچی رکھتے آپ ﷺ کا زمین کی طرف دیکھنا بہ نسبت آسمان کے زیادہ تھا۔ وہ بابرکت ہستی نادر روزگار لاثانی جس کی کامل متابعت و پیروی سے حسب استعداد روحانی مراتب اربعہ عالیہ انسان کا نصیبہ بنیں اس کی نشست وبرخاست میں بھی عاجزانہ رنگ جلوہ گر ہے۔

حضرت سفیان بن وکیعؓ نے حضرت علیؓ سے آپ ﷺ کی نشست و برخاست کے بارہ میں دریافت کیا تو بتایا کہ آپ ﷺ کا اٹھنا بیٹھنا ذکر الٰہی سے معمور ہوتا، کسی جگہ کو اپنے واسطے مخصوص نہ کرتے بلکہ مخصوص کرنے سے منع فرماتے۔ جب کسی قوم کے ہاں تشریف فرما ہوتے تو جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے اور اسی بات کا دوسروں کو بھی ارشاد فرماتے۔ آرام دہ بستر ہر انسان کی فطری خواہش ہے تاکہ نیند کے مزے اٹھائے لیکن اس معاملہ میں بھی حضرت رسول کریم ﷺ کی ذات اقدس میں بے نیازی کی شان پائی جاتی ہے۔ وہ بستر جس پر آپ ﷺ سویا کرتے تھے وہ چمڑہ کا تھا جس میں کھجور کے پتے وغیرہ بھرے ہوتے تھے۔ حضرت حفصہؓ کے ہاں بستر کمبل کا تھا۔ جس کو دوہرا کر کے آپ ﷺ سویا کرتے تھے۔ ایک شب اس کی چار تہیں کر دی گئیں آپ ﷺ اس پر سو گئے۔ صبح ہوئی۔ بیدار ہوئے فرمایا۔ بستر کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ کیونکہ یہ میری نماز میں روک کا سبب بنا ہے۔

باوصف منصب نبوت پر فائز ہونے اور انا سید ولد آدم ولا فخر کے آپ ﷺ کے سماجی و معاشرتی رویوں پر منکسر المزاجی اور فروتنی کی گہری چھاپ ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے یونس بن متی پر فضیلت نہ دو۔ ایک شخص بارگاہ نبوت میں آیا اور کہا! اے مخلوق میں سب سے بہتر فرمایا۔ یہ تو ابراہیمؑ ہیں۔ ایک اور موقعہ پر فرمایا۔ مجھے وہ مرتبہ اور درجہ نہ دو جو نصاریٰ نے ابن مریم کو دیا ہے۔ میں تو بندہ ہوں۔ تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔

فاترالعقل عورت کا سوال

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت جس کی عقل میں فتور تھا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگی۔ مجھے آپ ﷺ سے کام ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اے مادر فلاں! تو مدینہ کے جس راستہ پر بیٹھ میں وہیں تمہاری بات سنوں گا۔ وہ عورت ایک جگہ بیٹھ گئی تو آپ ﷺ بھی بیٹھ گئے یہاں تک کہ اس کی باتوں سے فارغ ہوئے۔

خدا داد رعب

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ مرتبہ فضیلت بھی عطا فرمایا ہے کہ ایک ماہ کی مسافت کا رعب بخشا گیا لیکن اس کے باوجود انکساری کی یہ کیفیت ہے کہ ایک شخص دربار نبوت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ کو دیکھ کر رعب سے کانپنے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ گھبراؤ نہیں میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں۔ میں تو قریش کی ایک عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی۔

میں بادشاہ نہیں ہوں

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں رسول اللہؐ کے ہمراہ بازار مدینہ گیا آپ ﷺ نے کپڑا خریدنا تھا۔ آپ نے دکاندار کو جھکتا ہوا تول کرنے کا فرمایا۔ وہ آپ ﷺ کے دست مبارک کو بوسہ دینے کی غرض سے اٹھا اور بوسہ دینے کو آگے بڑھا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک پیچھے کھینچ لیا اور فرمایا کہ ایسا عجمی اپنے بادشاہوں سے کرتے ہیں۔ میں بادشاہ نہیں ہوں میں تو ایک بندہ ہوں۔ میں وہ کپڑا اٹھانے لگا تو فرمانے لگے شئے کا مالک اپنی شئے اٹھانے کا زیادہ حق دار ہے۔

فاتح مکہ کا انداز

فاتحین کا سینہ تنا ہوا اگر دن اکڑی ہوتی ہے۔ فتح کے نشہ میں چور غرور تکبر کی تصویر بنے ہوتے ہیں۔ لیکن فتح مکہ کے موقعہ پر چشم فلک نے عجب منظر دیکھا کہ فاتح مکہ عجز و نیاز اور خاکساری کا پیکر بنا ہوا ہے۔ آپ ﷺ کا سر مبارک سواری کے کجاوہ پر جھکا ہوا ہے۔ نوبت یہاں تک جا پہنچی کہ کجاوہ کے اگلے حصہ کو چھونے کے قریب پہنچ گیا۔

تیری عمدہ حمد وثنا کروں

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کا وصال جب میرے گھر میں ہوا اس وقت طاقچہ میں کچھ جو پڑے تھے اور کوئی عمدہ کھانے والی شئے نہیں تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اے عائشہ میرے سامنے مکہ کا میدان پیش کیا گیا اور کہا کہ اسے تیرے لئے سونے کا بنا دیا جائے لیکن میں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی کہ اے میرے رب! ایک دن میں بھوکا رہوں اور ایک دن پیٹ بھر کھاؤں۔ جس روز بھوکا رہوں۔ میں تیرے حضور عاجزی کروں اور دعا مانگوں۔ جس دن پیٹ بھر کر کھاؤں تب بھی تیری بارگاہ میں عاجزی اور دعا کروں اور ہر حال میں تیری عمدہ حمد وثنا کروں۔ شان انکساری کے روح پرور نظارے آپ ﷺ کی حیاۃ طیبہ کے چمکتے اور دمکتے نگینے ہیں۔

سواری پر بٹھانا

معاشرہ میں آقا و بندہ اور مالک ونوکر کی تمیز دور قدیم سے ہے لیکن آنحضرت ﷺ نے اپنے اسوہ حسنہ سے اس تفریق کو یوں اٹھایا جیسا کہ حضرت انسؓ بن مالک خادم رسول اللہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ اپنی سواری کے پیچھے سوار کرا لیتے تھے اور زمین پر رکھ کر کھانا کھا لیتے تھے۔ غلام کی دعوت قبول فرما لیتے اور گدھے پر سواری کر لیتے تھے۔

میں حاضر ہوں

زیادہ بار بلانے پر انسان ترش رو ہو جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا وصف دیکھئے حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ ﷺ کو تین بار بلایا ہر دفعہ آپ ﷺ نے لبیک کہہ کر جواب دیا کہ میں حاضر ہوں۔

میں بھی تمہاری مانند انسان ہوں

عبداللہ بن جبیرؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ اپنے اصحاب کے ہمراہ سفر کر رہے تھے۔ آپ ﷺ پر کپڑے کا سایہ کیا گیا۔ جب آپ ﷺ نے سایہ دیکھ کر سر مبارک اوپر اٹھایا تو فرمایا، رہنے دو۔ کپڑا لے کر رکھ دیا اور فرمایا میں بھی تمہاری مانند انسان ہوں۔

ترجیحی سلوک پسند نہیں

حضرت عامر بن ربیعہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسجد کی جانب نکلا۔ اسی دوران آپ ﷺ کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ گیا۔ میں یہ لے کر اسے ٹھیک کرنے لگا تو آپ ﷺ نے میرے ہاتھ سے وہ جوتا لے لیا اور فرمایا یہ ترجیحی سلوک ہے جو مجھے پسند نہیں ہے۔

کلام میں شراکت

حضرت سرور کائنات ﷺ کو صحابہ کے ساتھ مل جل کر کام کرنا پسند تھا۔ مسجد نبوی کی تعمیر میں پتھر اٹھاتے رہے۔ جنگ خندق میں بنفس نفیس کھدائی کرنے اور مٹی اٹھانے میں شریک کار رہے۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ صحابہؓ کے ساتھ محو سفر تھے ایک جگہ پڑاؤ ہوا۔ آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق صحابہؓ میں تقسیم کار ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ میرے ذمہ کیا کام ہے؟ صحابہؓ نے عرض کی۔ رسول اللہؐ ہم خدمت کے لئے حاضر ہیں۔ آپ تشریف فرما ہوں۔ فرمایا۔ نہیں میں بھی کام کروں گا پھر خود ہی آگ جلانے کے لئے لکڑیاں جمع کرنے کا کام اپنے ذمہ لے لیا جو ابھی کسی کے سپرد نہیں ہوا تھا۔ اس مقصد کے لئے آپ ﷺ جنگل کی جانب نکل پڑے۔

درہم عنایت کئے

رسول اللہ ﷺ ضرورت مندوں کی ضرورت کو اپنی ذات پر ترجیح اور فوقیت دیتے۔ ایک دفعہ ایک کم سن لونڈی کو بازار میں روتے دیکھا جو گھر سے مالکوں کے لئے آٹا خریدنے آئی تھی لیکن درہم گم کر بیٹھی تھی۔ آپ ﷺ نے اسے آٹا خرید کرنے کے لئے درہم دیئے۔ اس کی گھر والوں سے سفارش بھی کی۔ اہل خانہ رسول اللہؐ کی گھر آمد پر خوش اور مسرور بھی ہوئے اور کمسن لونڈی کو آزاد بھی کر دیا۔

ہم باری باری سوار ہوں گے

غزوہ بدر میں سواریاں کم تھیں۔ نبی کریم ﷺ کے حصہ میں جو اونٹ آیا اس میں دو ساتھی اور بھی شامل تھے۔ سفر شروع ہوا تو انہوں نے عرض کی۔ یارسول اللہ! آپ اونٹ پر سوار ہو جائیں ہم پیدل چلیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ نہیں، ہم باری باری سوار ہوں گے نہ تمہیں ثواب واجر کی مجھ سے زیادہ ضرورت ہے کہ تم پیدل چل کر ثواب حاصل کرو اور میں اس سے محروم وقاصر رہوں۔

عیادت مریضاں

حضرت سید الانبیاء ﷺ بلا تفریق مذہب وملت اور رنگ ونسل مریضوں کی عیادت کو تشریف لے جاتے۔ آپ ﷺ کا یہودی غلام بیمار ہوا تو اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ ایک غریب حبشی لونڈی جو مسجد نبوی میں جھاڑو دیا کرتی تھی وہ فوت ہو گئی۔ صحابہؓ نے شاید رات کو رسول اللہؐ کو جگانا مناسب خیال نہ کرتے ہوئے اسے دفن کر دیا۔ جب نبی کریم ﷺ کو اس بات کا علم ہوا تو صحابہؓ سے فرمایا کہ تم نے مجھے اس کی اطلاع کیوں نہیں کی؟ پھر آپ ﷺ اس غریب لونڈی کی قبر پر

گئے اور دعائے مغفرت کی۔

مسکینی کی دعا

حضرت سید المرسلین ﷺ اکثر یہ دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھنا، مسکینی کی حالت میں موت دینا اور روز محشر مسکینوں کی جماعت اور گروہ سے اٹھانا۔

عجز وانکسار کی فضیلت

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں عباد الرحمٰن کے اوصاف حسنہ میں سے ایک یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ لوگوں کے ساتھ گال پھلا کر بات نہ کرو اور نہ زمین پر اکڑ کر چلو۔ اللہ تعالیٰ ہر اترانے والے اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

(بنی اسرائیل :36)

آنحضرت ﷺ نے متعدد مواقع پر انکساری و عاجزی کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔

آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی فرمائی کہ تم تواضع اختیار کرو یہاں تک کہ کوئی آدمی دوسرے پر فخر نہ کرے اور کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے۔

ایک اور موقعہ پر فرمایا۔ جو شخص اللہ کی خاطر تواضع کرتے ہوئے لباس (فاخرہ) ترک کرتا ہے حالانکہ وہ اس کی ہمت وتوفیق رکھتا ہے۔ خدا تعالیٰ قیامت کے دن سب مخلوق کے سامنے بلائے گا اور اسے اختیار دے گا کہ لباس ایمان میں سے جو پسند کرے اختیار کرے۔

ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، کہ بندہ جب اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور اسے رفعت عطا کرتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کی بارگاہ الٰہی میں گریہ وزاری تضرع وابتہال اور عجز وانکسار کا اندازہ حجۃ الوداع میں عرفات کے میدان میں بوقت شام اس عاجزانہ مناجات سے بھی خوب ظاہر ہوتا ہے۔ اے اللہ تو میری باتوں کو سنتا اور میرے حال کو دیکھتا ہے میری پوشیدہ باتوں اور ظاہر امور سے خوب واقف ہے۔ میں ایک بدحال فقیر اور محتاج ہوں، تیری مدد اور پناہ کا طالب، سہما، ڈرا ہوا اور اپنے گناہوں کا اقراری ہو کر تیرے حضور حاضر ہوں، میں ایک عاجز مسکین کی مانند سوالی ہوں، تیری بارگاہ میں خوف زدہ دعا کرتا ہوں، میری گردن تیرے حضور جھکی ہوئی اور آنسو رواں ہیں، میرا جسم سجدہ میں اور ناک خاک آلودہ ہے۔ اے اللہ! تو مجھے دعا کرنے میں بدبخت نہ ٹھہرانا، میرے ساتھ مہربانی اور رحم کا سلوک فرمانا۔ تو سب سے بڑھ کر دعاؤں کو قبول کرتا اور سب سے بہتر عطا کرنے والا ہے۔

(مضمون کی تیاری میں کتاب الشفاء از عیاض اردو مترجم حافظ احمد علی شاہ۔ ناشر اکبر سیلرز اور کتاب اسوہ انسان کامل از محترم حافظ مظفر احمد صاحب سے مدد لی گئی ہے۔)

☆......☆......☆

مکرم فرخ راحیل صاحب

ماہ رمضان کی عظمت اور فضیلت کا بیان

قرآن وحدیث اور ارشادات مسیح موعود اور خلفاء سلسلہ کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر روزے اسی طرح فرض کر دیئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تا کہ تم تقویٰ اختیار کرو۔ (البقرۃ :184)

رمضان کا مہینہ جس میں قرآن انسانوں کے لئے ایک عظیم ہدایت کے طور پر اتارا گیا اور ایسے کھلے نشانات کے طور پر جن میں ہدایت کی تفصیل اور حق وباطل میں فرق کر دینے والے امور ہیں۔

(البقرۃ :186)

اللہ تعالیٰ کا یہ فضل و احسان ہے کہ وہ ہم ایمانداروں کو ہر سال روحانی اور اخلاقی بلندی کے حصول کے لئے کئی مواقع فراہم کرتا ہے۔ ان مواقع میں سے ایک عظیم الشان موقع رمضان المبارک کی صورت میں آتا ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

جو شخص رمضان کے مہینے میں حالت ایمان میں ثواب اور اخلاص سے عبادت کرتا ہے وہ اپنے گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جیسے اس روز تھا جب اس کی ماں نے اسے جنا۔

(نسائی، کتاب الصوم)

دین حق کی تعلیمات میں رمضان المبارک کا مہینہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اس مہینہ کی عظمت اور فضیلت حضرت اقدس مسیح موعود اور خلفاء حضرت مسیح موعود نے کئی مرتبہ بیان فرمائی ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود فرماتے ہیں:

شھر رمضان ......سے رمضان کی عظمت معلوم ہوتی ہے۔ صوفیا نے لکھا ہے کہ یہ ماہ تنویر قلب کے لئے عمدہ مہینہ ہے۔ کثرت سے اس میں مکاشفات ہوتے ہیں۔ صلوٰۃ تزکیہ نفس کرتی ہے اور صوم تجلی قلب کرتا ہے۔ تزکیہ نفس سے مراد یہ ہے کہ نفس امارہ کی شہوات سے بعد حاصل ہو جائے اور تجلی قلب سے مراد یہ ہے کہ کشف کا دروازہ اس پر کھلے کہ خدا کو دیکھ لے۔ پس انزل فیہ القرآن میں یہی اشارہ ہے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ روزہ کا اجر عظیم ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ماہ رمضان کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

رمضان کا مہینہ ان مقدس ایام کی یاد دلاتا ہے جن میں قرآن کریم جیسی کامل کتاب کا دنیا میں نزول ہوا۔ وہ مبارک دن۔ وہ دنیا کی سعادت کی ابتدا کے دن۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکت کے دروازے کھولنے والے دن جب دنیا کی گھناونی شکل اس کے بدصورت چہرے اور اس کے اذیت پہنچانے والے اعمال سے تنگ آکر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں جا کر اور دنیا سے منہ موڑ کر اور اپنے عزیز واقارب کو چھوڑ کر صرف اپنے خدا کی یاد میں مصروف رہا کرتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ دنیا سے اس طرح بھاگ کر وہ اپنے فرض کو ادا کریں گے جسے ادا کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا ہے۔ انہی تنہائی کی گھڑیوں میں انہی جدائی کے اوقات میں اور انہی غور وفکر کی ساعات میں رمضان کا مہینہ آپ پر آ گیا۔ اور جہاں تک معتبر روایات سے معلوم ہوتا ہے چوبیسویں رمضان کو وہ جو دنیا کو چھوڑ کر علیحدگی میں چلا گیا تھا اسے اس کے پیدا کرنے والے، اس کی تربیت کرنے والے، اس کو تعلیم دینے والے اور اس سے محبت کرنے والے خدا نے حکم دیا کہ جاؤ اور جا کر دنیا کو ہدایت کا راستہ دکھاؤ۔ پس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رمضان ہی میں یہ آواز آئی اور رمضان ہی میں آپ نے غار حرا سے باہر نکل کر لوگوں کو یہ تعلیم سنانی شروع کی۔

رمضان کے معنی

رمضان کے معانی کیا ہیں اور اس مہینہ کو رمضان کیوں کہا جاتا ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

رمض سورج کی تپش کو کہتے ہیں۔ رمضان میں چونکہ انسان اکل وشرب اور تمام جسمانی لذتوں پر صبر کرتا ہے۔ دوسرے اللہ تعالیٰ کے احکام کے لئے ایک حرارت اور جوش پیدا کرتا ہے۔ روحانی اور جسمانی حرارت اور تپش مل کر رمضان ہوا۔ اہل لغت جو کہتے ہیں کہ گرمی کے مہینہ میں آیا اس لئے رمضان کہلایا، میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ عرب کے لئے یہ خصوصیت نہیں ہوسکتی۔ روحانی رمض سے مراد روحانی ذوق وشوق اور حرارت دینی ہوتی ہے۔ رمض اس حرارت کو بھی کہتے ہیں جس سے پتھر گرم ہو جاتے ہیں۔

روزہ کی حقیقت کیا ہے؟

بعض لوگ روزے رکھتے ہیں لیکن وہ اس بات سے نا آشنا ہیں کہ روزہ کا مقصد اور اس کی حقیقت کیا ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود روزہ کی حقیقت کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ :

روزہ اتنا ہی نہیں کہ اس میں انسان بھوکا پیاسا رہتا ہے، بلکہ اس کی ایک حقیقت اور اس کا اثر ہے جو تجربہ سے معلوم ہوتا ہے۔ انسانی فطرت میں ہے کہ جس قدر کم کھاتا ہے اسی قدر تزکیہ نفس ہوتا ہے اور کشفی قوتیں بڑھتی ہیں۔ خدا تعالیٰ کا منشا اس سے یہ ہے کہ ایک غذا کو کم کرو اور دوسری کو بڑھاؤ۔ ہمیشہ روزہ دار کو یہ مد نظر رکھنا چاہئے کہ اس سے اتنا ہی مطلب نہیں ہے کہ بھوکا رہے بلکہ اسے چاہئے کہ خدا تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رہے تا کہ تبتل اور انقطاع حاصل ہو۔ پس روزے سے یہی مطلب ہے کہ انسان ایک روٹی کو چھوڑ کر جو صرف جسم کی پرورش کرتی ہے، دوسری روٹی کو حاصل کرے جو روح کی تسلی اور سیری کا باعث ہے۔ اور جو لوگ محض خدا کے لئے روزے رکھتے ہیں اور نرے رسم کے طور پر نہیں رکھتے، انہیں چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح اور تہلیل میں لگے رہیں جس سے دوسری غذا انہیں مل جاوے۔

رمضان میں انسان کا خدا تعالیٰ سے بُعد مٹ جاتا ہے

رمضان المبارک کی عظمتوں اور فضائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان اور خدا تعالیٰ سے بُعد مٹ جاتا ہے۔ اس بارہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی فرماتے ہیں:

کتنی ہی صدیاں ہمارے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان گزر جائیں۔ کتنے ہی سال ہمیں اور ان کو آپس میں جدا کرتے چلے جائیں۔ کتنے ہی دنوں کا فاصلہ ہم میں اور ان میں حائل ہوتا چلا جائے لیکن جس وقت رمضان کا مہینہ آتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان صدیوں اور سالوں کو اس مہینہ نے لپیٹ لپاٹ کر چھوٹا سا کر کے رکھ دیا ہے اور ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی قریب نہیں چونکہ قرآن خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اس لئے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس تمام فاصلہ کو رمضان نے سمیٹ سمٹا کر ہمیں خدا تعالیٰ کے قریب پہنچا دیا ہے۔ وہ بُعد جو ایک انسان کو خدا تعالیٰ سے ہوتا ہے وہ بُعد جو ایک مخلوق کو اپنے خالق سے ہوتا ہے وہ بُعد جو ایک کمزور اور نالائق ہستی کو زمین وآسمان کے پیدا کرنے والے خدا سے ہوتا ہے وہ یوں سمٹ جاتا ہے وہ یوں مٹ جاتا ہے وہ یوں غائب ہو جاتا ہے جیسے سورج کی کرنوں سے رات کا اندھیرا۔ یہی وہ حالت ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے

اذا سالک عبادی ...... جب رمضان کا مہینہ آئے اور میرے بندے تجھ سے میرے متعلق سوال کریں کہ میں انہیں کس طرح مل سکتا ہوں تو تو انہیں کہہ دے کہ رمضان اور خدا میں کوئی فرق نہیں۔ یہی وہ مہینہ ہے جس میں خدا اپنے بندوں کے لئے ظاہر ہوا اور اس نے چاہا کہ پھر اپنے بندوں کو اپنے پاس کھینچ کر لے آئے۔ اس کلام کے ذریعہ جو حبل اللہ ہے جو خدا کا وہ رسہ ہے جس کا ایک سرا خدا کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا مخلوق کے ہاتھ میں اب یہ بندوں کا

کام ہے کہ وہ اس رسہ پر چڑھ کر خدا تک پہنچ جائیں۔

روزہ سے قرب ملتا ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الاول مندرجہ بالا آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اگر لوگ پوچھیں کہ روزہ سے کیسے قرب حاصل ہو سکتا ہے تو کہہ دو اذا سالک عبادی...... یعنی میں قریب ہوں اور اس مہینہ میں دعائیں کرنے والوں کی دعائیں سنتا ہوں۔ چاہئے کہ پہلے وہ ان احکاموں پر عمل کریں جن کا میں نے حکم دیا ہے اور ایمان حاصل کریں تاکہ وہ مراد کو پہنچ سکیں اور اس طرح سے بہت ترقی ہوگی۔

ایک اور جگہ پر حضرت خلیفۃ المسیح الاول نے فرمایا:

روزہ جیسے تقویٰ سیکھنے کا ایک ذریعہ ہے ویسے ہی قرب الٰہی حاصل کرنے کا بھی ذریعہ ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ماہ رمضان کا ذکر فرماتے ہوئے ساتھ ہی یہ بھی بیان کیا ہے و اذا سالک عبادی ...... یہ ماہ رمضان کی ہی شان میں فرمایا گیا ہے اور اس سے اس ماہ کی عظمت اور سرالٰہی کا پتہ لگتا ہے کہ اگر وہ اس ماہ میں دعائیں مانگیں تو میں قبول کروں گا لیکن ان کو چاہئے کہ میری باتوں کو قبول کریں اور مجھے مانیں۔ انسان جس قدر خدا کی باتیں ماننے میں قوی ہوتا ہے خدا بھی ویسے ہی اس کی باتیں مانتا ہے۔ لعلھم یرشدون سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ماہ کو رشد سے بھی خاص تعلق ہے اور اس کا ذریعہ خدا پر ایمان، اس کے احکام کی اتباع اور دعا کو قرار دیا ہے۔ اور بھی باتیں ہیں جن سے قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے۔

قرب الٰہی کے لئے کوشش کریں

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز رمضان کے بابرکت مہینہ میں قرب الٰہی کے حصول کے لئے اپنی کوششوں کو بڑھانے کے بارہ میں اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ 12 جولائی 2013ء میں فرماتے ہیں:

اس رمضان میں ہمیں اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر احسان ہے کہ رمضان میں خدا تعالیٰ جنت کے دروازے کھول دیتا ہے اور دوزخ کے دروازے بند کر دیتا ہے۔

(صحیح البخاری کتاب الصوم باب ھل یقال رمضان او شھر رمضان حدیث نمبر 1899)

ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ اس مہینہ میں عبادتوں، تزکیہ نفس اور حقوق العباد کی ادائیگی کے ذریعہ جنت کے ان دروازوں میں داخل ہونے کی کوشش کریں۔ یا جنت کے ان دروازوں سے جنت میں داخل ہونے کی کوشش کریں جو پھر ہمیشہ کھلے رہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ و استغفار کرتے ہوئے جھکیں اور ان خوش قسمتوں میں شامل ہو جائیں جن کی توبہ قبول کر کے اللہ تعالیٰ کو اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے جتنی ایک ماں کو اپنا گمشدہ بچہ ملنے سے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے اس پیار کو حاصل کرنے والے ہوں اور اللہ تعالیٰ کو اس رمضان میں وہ خوشی پہنچانے والے ہوں جو گمشدہ بچہ کے ماں کو مل جانے سے زیادہ ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ خوشی پہنچانے کے لئے ہمیں تقویٰ پر چلتے ہوئے ان عبادتوں جن میں فرائض بھی ہیں اور نوافل بھی، ان کے معیاروں کو بلند کرنا ہوگا۔ اپنے روزوں کا حق ادا کرنے کی کوشش کرنی ہوگی۔ حقوق العباد کی ادائیگی کی طرف توجہ دینی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ محض اور محض اپنے فضل سے یہ سب کچھ اس رمضان میں ہمیں حاصل کرنے اور ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(مطبوعہ روزنامہ الفضل 20 راگست 2013ء)

☆...☆...☆

صادق آزمائشوں اور ابتلاؤں سے ہلاک نہیں ہوتے

حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں۔

"بجز خدا کے انجام کون بتلا سکتا ہے اور بجز اس غیب دان کے آخری دنوں کی کس کو خبر ہے۔ دشمن کہتا ہے کہ بہتر ہو کہ یہ شخص ذلت کے ساتھ ہلاک ہو جائے اور حاسد کی تمنا ہے کہ اس پر کوئی ایسا عذاب پڑے کہ اس کا کچھ بھی باقی نہ رہے۔ لیکن یہ سب لوگ اندھے ہیں اور عنقریب ہے کہ ان کے بد خیالات اور بد ارادے انہیں پر پڑیں۔ اس میں شک نہیں کہ مفتری بہت جلد تباہ ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص کہے کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوں اور اس کے الہام اور کلام سے مشرف ہوں حالانکہ نہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے نہ اس کے الہام اور کلام سے مشرف ہے وہ بہت بُری موت سے مرتا ہے اور اس کا انجام نہایت ہی بد اور قابل عبرت ہوتا ہے لیکن جو صادق اور اس کی طرف سے ہیں وہ مر کر بھی زندہ ہو جایا کرتے ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کے فضل کا ہاتھ ان پر ہوتا ہے اور سچائی کی روح ان کے اندر ہوتی ہے۔ اگر وہ آزمائشوں سے کچلے جائیں اور پیسے جائیں اور خاک کے ساتھ ملائے جائیں اور چاروں طرف سے ان پر لعن وطعن کی بارشیں ہوں اور ان کے تباہ کرنے کے لئے سارا زمانہ منصوبے کرے تب بھی وہ ہلاک نہیں ہوتے۔ کیوں نہیں ہوتے؟ اس سچے پیوند کی برکت سے جو ان کو محبوب حقیقی کے ساتھ ہوتا ہے۔ خدا ان پر سب سے زیادہ مصیبتیں نازل کرتا ہے مگر اس لئے نہیں کہ تباہ ہو جائیں بلکہ اس لئے کہ تا زیادہ سے زیادہ پھل اور پھول میں ترقی کریں۔ ہر یک جوہر قابل کے لئے یہی قانون قدرت ہے کہ اول صدمات کا تختۂ مشق ہوتا ہے۔ مثلاً اس زمین کو دیکھو جب کسان کئی مہینہ تک اپنی قلبہ رانی کا تختۂ مشق رکھتا ہے اور ہل چلانے سے اس کا جگر پھاڑتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ زمین جو پتھر کی طرح سخت اور درشت معلوم ہوتی تھی سرمہ کی طرح پس جاتی ہے اور ہوا اس کو ادھر ادھر اڑاتی ہے اور پریشان کرتی رہتی ہے اور وہ بہت ہی خستہ شکستہ اور کمزور معلوم ہوتی ہے اور ایک انجان سمجھتا ہے کہ کسان نے چنگی بھلی زمین کو خراب کر دیا اور بیٹھنے اور لیٹنے کے لائق نہ رہی لیکن اس دانا کسان کا فعل عبث نہیں ہوتا۔ وہ خوب جانتا ہے کہ اس زمین کا اعلیٰ جوہر بجز اس درجہ کی کوفت کے نمودار نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح کسان اس زمین میں بہت عمدہ قسم کے دانے تخم ریزی کے وقت بکھیر دیتا ہے اور وہ دانے خاک میں مل کر اپنی شکل اور حالت میں قریب قریب مٹی کے ہو جاتے ہیں اور ان کا وہ رنگ و روپ سب جاتا رہتا ہے۔ لیکن وہ دانا کسان اس لئے ان کو مٹی میں نہیں پھینکتا کہ وہ اس کی نظر میں ذلیل ہیں نہیں بلکہ دانے اس کی نظر میں نہایت ہی بیش قیمت ہیں۔ بلکہ وہ اس لئے ان کو مٹی میں پھینکتا ہے کہ تا ایک ایک دانہ ہزار ہزار دانہ ہو کر نکلے اور وہ بڑھیں اور پھولیں اور ان میں برکت پیدا ہو اور خدا کے بندوں کو نفع پہنچے۔ پس اسی طرح وہ حقیقی کسان کبھی اپنے خاص بندوں کو مٹی میں پھینک دیتا ہے اور لوگ ان کے اوپر چلتے ہیں اور پیروں کے نیچے کچلتے ہیں اور ہر یک طرح سے ان کی ذلت ظاہر ہوتی ہے۔ تب تھوڑے دنوں کے بعد وہ دانے سبزہ کی شکل پر ہو کر نکلتے ہیں اور ایک عجیب رنگ اور آب کے ساتھ نمودار ہوتے ہیں جو ایک دیکھنے والا تعجب کرتا ہے۔ یہی قدیم سے برگزیدہ لوگوں کے ساتھ سنت اللہ ہے کہ وہ ورطۂ عظیمہ میں ڈالے جاتے ہیں۔ لیکن غرق کرنے کے لئے نہیں بلکہ اس لئے کہ تا ان موتیوں کے وارث ہوں کہ جو دریائے وحدت کے نیچے ہیں۔ اور وہ آگ میں ڈالے جاتے ہیں۔ لیکن اس لئے نہیں کہ جلائے جائیں بلکہ اس لئے کہ تا خدا تعالیٰ کی قدرتیں ظاہر ہوں۔ اور ان سے ٹھٹھا کیا جاتا ہے اور لعنت کی جاتی ہے۔ اور وہ ہر طرح سے ستائے جاتے اور دکھ دیئے جاتے اور طرح طرح کی بولیاں ان کی نسبت بولی جاتی ہیں۔ اور بدظنیاں بڑھ جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ بہتوں کے خیال وگمان میں بھی نہیں ہوتا کہ وہ سچے ہیں بلکہ جو شخص ان کو دکھ دیتا اور لعنتیں بھیجتا ہے وہ اپنے دل میں خیال کرتا ہے کہ بہت ہی ثواب کا کام کر رہا ہے۔ پس ایک مدت تک ایسا ہی ہوتا رہتا ہے۔ اور اگر اس برگزیدہ پر بشریت کے تقاضا سے کچھ قبض طاری ہو تو خدا تعالیٰ اس کو ان الفاظ سے تسلی دیتا ہے کہ صبر کر جیسا کہ پہلوں نے صبر کیا اور فرماتا ہے کہ میں تیرے ساتھ ہوں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں۔ پس وہ صبر کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ امر مقدر اپنے مدت مقررہ تک پہنچ جاتا ہے۔ تب غیرت الٰہی اس غریب کے لئے جوش مارتی ہے اور ایک ہی تجلی میں اعداء کو پاش پاش کر دیتی ہے سو اوّل نوبت دشمنوں کی ہوتی ہے اور اخیر میں اس کی نوبت آتی ہے۔ اسی طرح خداوند کریم نے بار بار مجھے سمجھایا کہ ہنسی ہوگی اور ٹھٹھا ہوگا اور لعنتیں کریں گے اور بہت ستائیں گے لیکن آخر نصرت الٰہی تیرے شامل ہوگی اور خدا دشمنوں کو مغلوب اور شرمندہ کرے گا۔ چنانچہ براہین احمدیہ میں بھی بہت سا حصہ الہامات کا انہی پیشگوئیوں کو بتلا رہا ہے اور مکاشفات بھی یہی بتلا رہے ہیں۔ چنانچہ ایک کشف میں میں نے دیکھا کہ ایک فرشتہ میرے سامنے آیا اور وہ کہتا ہے کہ لوگ پھرتے جاتے ہیں۔ تب میں نے اس کو کہا کہ تم کہاں سے آئے تو اس نے عربی زبان میں جواب دیا اور کہا کہ جئت من حضرۃ الوتر۔ یعنی میں اس کی طرف سے آیا ہوں جو اکیلا ہے تب میں اس کو ایک طرف خلوت میں لے گیا۔ اور میں نے کہا کہ لوگ پھرتے جاتے ہیں مگر کیا تم بھی پھر گئے تو اس نے کہا کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ تب میں اس حالت سے منتقل ہو گیا۔ لیکن یہ سب امور درمیانی ہیں اور جو خاتمہ امر پر مقدر ہو چکا ہے وہ یہی ہے کہ بار بار کے الہامات اور مکاشفات سے جو ہزار ہا تک پہنچ گئے ہیں اور آفتاب کی طرح روشن ہیں خدا تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا کہ میں آخر کار تجھے فتح دوں گا اور ہر یک الزام سے تیری بریت ظاہر کر دوں گا اور تجھے غلبہ ہوگا اور تیری جماعت قیامت تک اپنے مخالفوں پر غالب رہے گی اور فرمایا کہ میں زور آور حملوں سے تیری سچائی ظاہر کروں گا اور یاد رہے کہ یہ الہامات اس واسطے نہیں لکھے گئے کہ ابھی کوئی ان کو قبول کر لے بلکہ اس واسطے کہ ہر یک چیز کے لئے ایک موسم اور وقت ہے۔ پس جب ان الہامات کے ظہور کا وقت آئے گا۔ تو اس وقت یہ تحریر مستعد دلوں کیلئے زیادہ تر ایمان اور تسلی اور یقین کا موجب ہوگی"۔

☆...☆...☆

مکرم مقصود احمد ریحان صاحب

زندگی کی تلخیاں اور مثبت اندازفکر

اگر کسی شخص کو کوئی خطرناک موذی مرض لاحق ہوجائے اور ڈاکٹرز نے اسے بتادیا ہو کہ آپ کے پاس اس زندگی کی بقایا مہلت صرف چند دن، یا چند مہینے رہ گئی ہے۔اس صورت میں اس مریض کا ردعمل کیا ہوگا؟

اس سوال کے بہت سے جواب ہیں۔عین ممکن ہے کہ وہ شخص اِس صدمے سے اُس مہلت تک بھی نہ پہنچ سکے جو ڈاکٹر نے اپنے دنیاوی علم کی بنیاد پر اسے بتائی ہو، اور اس سے قبل ہی اس دنیا سے رخصت ہوجائے۔یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ناامید ہوکر دل چھوڑ بیٹھے اور موت کی دستک کے انتظار میں اس کے بقایا شب و روز گزریں۔تاہم اگر وہ شخص مثبت سوچ کا حامل ہوگا تو وہ اس بات کو بالکل مختلف طریقے سے ہینڈل کرے گا۔اس کی کوشش ہوگی کہ مشروبِ زندگی میں سے جتنے بھی بقایا گھونٹ رہ گئے ہیں، خواہ وہ تلخ ہیں یا شیریں، ان سے بھرپور طریقے سے لطف اندوز ہو، اور جتنی مہلت بھی اس کے پاس رہ گئی ہے، اسے اس انداز سے گزارے کہ اس تلخی میں بھی مزا محسوس کرے اور اپنی پچھلی زندگی کی غلطیوں سے سبق سیکھتے ہوئے اپنی بقایا زندگی میں جس حد تک بھی ممکن ہو بہتری لے کر آئے۔یقیناً آپ کے خیال میں دوسرا ردِعمل زیادہ صحیح ہوگا۔

شاعر اسی بات کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

زندگی زندہ دلی کا نام ہے
مردہ دل خاک جیا کرتے ہیں

ایک حدیث میں آتا ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا یعنی دل ہے۔اگر دل ٹھیک رہے تو تمام جسم صحیح طرح اپنا کام انجام دیتا رہتا ہے۔اگر یہ خراب ہو جائے تو تمام جسم میں فساد برپا ہو جاتا ہے۔(بخاری کتاب الایمان) اس کی بہت ساری تشریحات ممکن ہیں تاہم اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ ہمارے جسم کے تمام افعال کا دارومدار ایک لحاظ سے دل پر ہی ہے جو ہمارے جسم کا مرکز اور جذبات کا گھر ہے۔اگر دل سے جوش، ولولہ اور امنگ ختم ہو جائے یعنی مایوسی پیدا ہو جائے تو ایسے شخص کی زندگی بے معنی ہے۔اسی طرف متذکرہ بالا شعر میں اشارہ کیا گیا ہے یعنی جس انسان میں مردہ دلی پیدا ہو جائے، مایوسی پیدا ہو جائے تو اس کی زندگی کسی کام کی نہیں رہتی۔یہی وجہ ہے کہ مایوسی کی انتہا پر پہنچ کر انسان زندگی سے مایوس ہو جاتا ہے اور بعض اوقات عواقب سے بے پرواہ ہوکر اپنی زندگی کا خاتمہ تک کرلیتا ہے۔

مایوسی کیوں پیدا ہوتی ہے اور اس کی کیا وجوہات ہیں؟ آپ ایک کام کا ارادہ کرتے ہیں۔اس ارادے پر عمل پیرا ہونے کیلئے آپ ایک حکمتِ عملی ترتیب دیتے ہیں۔پھر اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔متوقع نتائج حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔بعض اوقات آپ اس میں مکمل کامیابی حاصل کرلیتے ہیں۔بعض اوقات جزوی کامیابی ملتی ہے اور بعض اوقات ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ناکامی کی صورت میں آپ بسااوقات بار بار کوشش کرتے ہیں۔اگر آپ کی کوششوں کے نتائج آپ کی توقعات کے برعکس ہوں تو مسلسل ناکامیاں آپ کے اندر سے اس یقین کو کھرچنا شروع کردیتی ہیں کہ آپ کامیاب ہو سکتے ہیں۔اس صورتحال میں آپ دو قسم کا ردعمل دکھاتے ہیں۔یا تو آپ اپنی حکمتِ عملی کی خامیاں دور کرکے اسے ازسرِنو ترتیب دیتے ہیں اور کامیابی حاصل ہونے تک ہمت نہیں ہارتے یا پھر مایوس ہوجاتے ہیں۔گویا مایوسی اس یقین کی موت کا نام ہے جو آپ کو کامیابی کیلئے درکار ہوتا ہے۔

خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں مومنوں اور کافروں کے درمیان ایک فرق یہ بھی بتایا ہے کہ کافر مایوس ہوجاتے ہیں لیکن مومن کبھی خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتا۔مومن کا اپنے خدا کی لامحدود قدرتوں پر یقین اسے کبھی مایوس نہیں ہونے دیتا اور اور وہ ہمیشہ ایک مثبت طرزِ فکر رکھتے ہوئے ہر قسم کی رکاوٹوں کو عبور کرتا چلاجاتا ہے۔وہ ہر اس چیز میں سے بہتری کا کوئی نہ کوئی پہلو ضرور تلاش کرلیتا ہے جو ظاہری نظر سے دیکھنے پر خواہ کتنی ہی بدنما یا بظاہر منفی کیوں نہ ہو۔مثلاً جب ایک دفعہ مسیح علیہ السلام اپنے حواریوں کے ساتھ کہیں سے گزر رہے تھے تو ایک جگہ کتا مرا پڑا تھا جس میں سے سخت بدبو آرہی تھی۔حواریوں نے ناک ڈھانپ لی اور ناگواری کا اظہار کیا۔اس پر حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا کہ دیکھو اس کے دانت کتنے خوبصورت ہیں۔ (تفسیر حقی زیر تفسیر سورۃ الزمر)

اسی طرح حضرت اقدس مسیح موعود کا ایک واقعہ بھی اس ضمن میں قابلِ ذکر ہے۔ایک دفعہ حضور کسی کتاب کی تصنیف فرمارہے تھے۔کتاب تکمیل کے مراحل میں تھی۔آپ کے صاحبزادے میاں محمود (حضرت خلیفۃ المسیح الثانی) نے جن کی عمر اس وقت چار برس تھی، اپنے بچپنے میں اس کتاب کے مسودے کو دیا سلائی دکھا دی جس کی وجہ سے سارا مسودہ جل کر راکھ ہوگیا۔گھر والے حیران اور انگشت بدندان کہ اب کیا ہوگا، لیکن حضور نے مسکرا کر فرمایا: ''خوب ہوا۔اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی بڑی مصلحت ہوگی اور اب خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس سے بہتر مضمون ہمیں سمجھائے۔''

یہ مثبت اندازِ سوچ آپ کے اندر اس یقین وایمان سے ہی آئی جو آپ کو خدا تعالیٰ کی ہستی پر تھا۔

اگر ہم اپنے روزمرّہ کے معمولات پر غور کریں تو ہمیں اندازہ ہوگا کہ روزانہ ہم میں سے ہر ایک کو بہت سے ایسے معاملات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس میں ناکامی یا کسی بری بات کے ہوجانے کا خوف یا توہّمات ہمارے اعصاب پر سوار ہو جاتے ہیں جس کے نتیجے میں ہم ذہنی دباؤ، سٹریس یا فریسٹریشن کا شکار ہو جاتے ہیں۔عمومی طور پر معاشرتی حالات بھی اس کا سبب بنتے ہیں کیونکہ انسان جہاں رہ رہا ہو وہاں کا ماحول اسے ضرور متاثر کرتا ہے۔تاہم اپنے اپنے دائرے میں اگر ہم کوشش کریں تو محض مثبت اندازِ فکر اپناتے ہوئے بہت سے مسائل کا سامنا نہ صرف اعصاب پر قابو رکھتے ہوئے بہادری سے کرسکتے ہیں بلکہ ان میں سے بہت سے مسائل پر باآسانی قابو بھی پاسکتے ہیں۔مثلاً اگر آپ کسی مشکل میں ہیں اور انتہائی پریشان ہیں۔تو ایک لمحے کیلئے یہ سوچیں کہ جس چیز کا آپ کو خوف ہے، اگر خدانخواستہ وہ بات وقوع پذیر ہوگئی تو کیا ہوگا؟ اس کا جو برے سے برا نتیجہ نکل سکتا ہے وہ کیا ہوگا؟ کیا اسے روکنا آپ کے اختیار میں ہے؟

اگر ان تمام باتوں کا جواب نفی میں ہے تو پھر سب کچھ خدا پر چھوڑ دیں اور ہمیشہ اس سے بہتری کی امید رکھیں۔جو بات کاتب تقدیر نے لکھ دی ہے، وہ ہوکر رہنی ہے، پھر پریشان ہونے کا کیا فائدہ؟ مستقبل کے اندیشوں کی وجہ سے، اپنے حال (present) کو خراب کرلینا کہاں کی دانشمندی ہے؟

ذرا چھوٹے بچوں کی نفسیات پر غور کریں۔پیدائش کے بعد بچہ ہر اس چیز سے سیکھتا ہے جو اس کے ماحول میں پائی جاتی ہے۔پہلا قدم اٹھانا ہو، پہلا لفظ بولنا ہو، غرضیکہ جتنے بھی کام وہ کرتا ہے، آپ نے کبھی سوچا کہ اس کیلئے اسے کتنی منازل طے کرنی پڑتی ہیں؟ کتنی بار ایک ہی چیز کو حاصل کرنے یا سیکھنے کیلئے کوشش کرنی پڑتی ہے؟ لیکن وہ کبھی ہمت نہیں ہارتا۔مسلسل کوشش کرتا رہتا ہے اور ایک دن اس کی کوششیں کامیاب ہو جاتی ہیں۔کیا ہم ان ننھے فرشتوں سے سبق حاصل نہیں کر سکتے۔

الغرض اگر آپ مثبت سوچ کو اپنی زندگی کا لازمی حصہ بنالیں اور ہر چیز کو پازیٹولی (positively) لیں تو اس سے نہ صرف آپ کی اپنی زندگی انتہائی خوشگوار ہو جائے گی بلکہ آپ کے اردگرد بسنے والے لوگوں اور ماحول پر بھی مثبت اثر پڑے گا۔اس سلسلے میں خلاصۃً چند باتیں عرض ہیں:۔

(1) سب سے پہلے اس بات پر کامل یقین اور ایمان رکھیں کہ خدا تعالیٰ کی ذات قادرِ مطلق ہے جس کی مرضی کے بغیر ایک پتہ بھی حرکت نہیں کرسکتا۔

(2) خدا تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے کہ خدا کی رحمت سے کبھی مایوس مت ہو۔(سورۃ الزمر آیت 54) خدا کی رحمت سے مومن کبھی مایوس نہیں ہوتا اس لئے کبھی بھی مایوسی کو قریب نہ بھٹکنے دیں اور کبھی ہمت نہ ہاریں۔

(3) خدا تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے کہ جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار کا جواب دیتا ہوں یعنی دعاؤں کو سنتا ہوں (البقرہ 187) اس لئے ہر کام میں، ہر مشکل میں اسی سے مدد طلب کریں، اسی سے دعا کریں اور اس یقین کے ساتھ کریں کہ وہ نہ صرف آپ کی دعا کو سنے گا بلکہ انہیں شرفِ قبولیت بھی عطا کرے گا۔

حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں: ''حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو یقین سے اپنا ہاتھ دعا کیلئے اٹھاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی دعا رد نہیں کرتا ہے۔پس خدا سے مانگو اور یقین اور صدقِ نیت سے مانگو'

(4) دعا کیلئے مستقل خلیفۃ المسیح کو لکھتے رہیں کیونکہ خدا تعالیٰ سب سے زیادہ اپنے مقرر کردہ خلیفہ کی دعاؤں کو سنتا ہے کیوں کہ روئے زمین پر جو وجود خدا تعالیٰ کو سب سے پیارا ہے، وہ نبی یا اس کے خلیفہ کا وجود ہی ہوتا ہے۔

(5) حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں کہ جب تک سینہ صاف نہ ہو تب تک دعا قبول نہیں ہوتی۔

اگر آپ مثبت سوچ کو اپنالیں گے تو آپ کے دل سے خود بخود تمام برے جذبات جیسے حسد، کینہ، بغض، جلن، غصہ وغیرہ نکل جائیں گے جس کا اثر نہ صرف آپ کی شخصیت پر انتہائی مثبت انداز میں پڑے گا بلکہ آپ کی دعا بھی قبولیت کی ایک اور سیڑھی طے کرلے گی۔

(6) خدا فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرتا ہوں جیسا وہ میرے بارے میں گمان کرتا ہے۔

(بخاری کتاب التوحید)

اس لئے خدا کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہوں۔خدا کے بارے میں ہمیشہ مثبت سوچ رکھیں اور ہمیشہ اس سے بہتری کی امید رکھیں۔

(7) ایک اور اہم پہلو مثبت سوچ کے حوالے سے صبر اور شکر کا ہے۔خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اس مصیبت پر صبر کر جو تجھے پہنچے۔

(سورۃ لقمان آیت 18)

مصیبت کے وقت منفی جذبات اور سوچ کا ابھرنا ایک فطری امر ہے۔ان منفی جذبات کو دبانا یعنی صبر کرنا مومن کا ہی خاصہ ہے اور صبر کرنے کی یہ قوت اسے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے سے ہی ملتی ہے۔اس لئے اس رحیم و کریم خدا نے جو نعمتیں بھی ہمیں عطا کی ہیں ان پر ہمہ وقت اس کا شکر ادا کرتے رہنا بھی مثبت سوچ کا ہی آئینہ دار ہے۔

الغرض احمدی عام دنیا کے مقابلے میں انتہائی خوش قسمت ہیں کیونکہ اس وقت ساری دنیا کے حالات بالعموم مایوسی کی انتہا پر ہیں۔حالات کی جس دلدل میں وہ دھنستے جا رہے ہیں اس سے نکلنے کی انہیں کوئی تدبیر سجھائی نہیں دیتی۔لیکن ایک احمدی اس کا ایمان اور یقین جو اسے خدا تعالیٰ کی ذات پر ہے، مایوسی سے کوسوں دور رکھتا ہے۔وہ اپنی ہر مشکل میں خدا کو پکارتا ہے۔ وہ اپنے اوپر آنے والی ہر آزمائش کو مثبت طور پر لیتا ہوا خدا کے فضل سے ایمان میں پہلے سے بھی ترقی کرتا ہوا اس میں سرخرو ہوتا چلا جاتا ہے اور جب بھی شیطان اس پر کوئی بھی وار کرتا ہے، تو وہ غیر ممکن کو ممکن میں بدل دینے والے ہتھیار یعنی دعا سے ہر وار کا منہ توڑ جواب دیتا ہے۔اور اپنی مثبت سوچ اور مثبت طرزِ زندگی سے نہ صرف خود کو بلکہ اپنے اردگرد کے ماحول کو بھی خوشگوار بنا دیتا ہے اور یہی ایک مومن کی پہچان ہے۔

☆..........☆..........☆